حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کی تشریح و توضیح

مولانا ابو القاسم محمد حفظ الرحمٰن

(۱)

مذہبی انحطاط کے اِس دور میں سب سے زیادہ دل شکن، مایوس کن، اور قابلِ افسوس وہ تغافل ہے جو قرآنِ عزیز کے ساتھ برتا جا رہا ہے۔ اُمتِ مرحومہ کے ارشاد و ہدایت، اور انسانیت کبریٰ کی نجاتِ ابدی و سرمدی کے لیے جو خدا کا آخری پیغام سنایا گیا۔ اخلاقِ کاملہ کی رفعت و بلندی، اور دین و دنیا کے ارتقاء و کمال کے لیے جس کو سرچشمۂ حیات بنایا گیا۔ بدقسمت مسلمان آج اس کلامِ معجز نظام اور اُس آئین کامل سے یکسر غافل اور اُس کے معانی و مطالب، حقائق و دقائق، رموز و نکات اور سب سے زیادہ اُس کی علمی و عملی دعوت سے بے نیاز نظر آتا ہے عوام اور متوسطین کی غفلت کا شکوہ کیا کیجیے، جدید تعلیمیافتہ اور مغرب زدہ نوجوانوں کی دیدۂ و دانستہ بے اعتنائی کا رونا کیوں روئیے، خود فضلاءِ علومِ شریعت، اور حاملانِ رموزِ حقیقت کتنے ہیں جو اس وادی میں گامزن ہیں یا گامزن ہونے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں؛

منطق و فلسفہ کے شیدائی، علمِ کلام کے شناور، معانی و بیان کے خفیت شناس، صرف و نحو کے حافظ، علمِ ادب کے متوالے علمی دنیا میں تلاش کیجیے تو کم نہ پائیگا کتنے ہونگے جنھوں نے عمرِ عزیز کا گرانقدر حصہ ان علوم کی تحصیل، تحقیق اور کد و کاوش میں گزارا ہوگا، میدانِ مسابقت میں کامیابی حاصل کی ہوگی۔ مرحبا و احسنت کی صداؤں سے حظ اُٹھایا ہوگا۔

لیکن معدودے چند بزرگ ہستیوں کے علاوہ دینی و مذہبی اداروں میں بھی علوم قرآنی کا ذوق اور فہم کلام ربانی کا شوق رکھنے والے خال خال بھی نظر نہیں آتے۔

یہ نہ سمجھیے کہ کاتب سطور اس سے مستثنیٰ ہے اور یہ جو کچھ کہا جارہا ہے دوسروں ہی کے لیے ہے، حاشا! ایسا نہیں ہے۔ اپنا حال تو دوسروں سے بھی کہیں زیادہ زبون و ناقابل بیان ہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ ناقابل انکار ہے اور واقعہ بہر حال واقعہ ہے۔ علمار کو عوام سے شکوہ ہے کہ وہ الحاد و زندقہ میں مبتلا ہیں، بدعات و سیئات کو ہدایات و حسنات سمجھتے ہیں، عوام کو گلہ ہے کہ علماء کے مواعظ اور نصیحتیں غیر موثر ہیں اور اُن کا ارشاد و ہدایت کا طریقہ ناکام ہے۔

شکوہ سنجی دونوں کی ایک حد تک صحیح و درست، اگر تلخی نتائج کے دونوں ذمہ دار ہیں۔ مرض اور سوءِ مزاج کا اعتراف دونوں جانب یکساں ہے لیکن اسباب و مبادیاتِ مرض سے دونوں طرف غفلت برتی جارہی ہے محققینِ علوم و معارف کے دم سے علم کی ضیا باریاں بھی ہیں۔ اور معارف پروری بھی، ذوقِ نظر بھی ہے اور سلیقۂ فکر بھی۔ اسی طرح تشنگان علوم میں طلب و جستجو بھی ہے اور جذبۂ صادق بھی، حصولِ حق کی تڑپ بھی ہے اور رموزِ صداقت کی شیفتگی بھی، لیکن زبان وحی ترجمان کے اُن پاک کلمات کو کون یاد دلائے کہ

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ (بخاری) تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآنِ عزیز سیکھے اور سکھلائے۔

ہم نے بہت کچھ سیکھا بھی اور سکھلایا بھی، اس وادی کے رہرو بھی بنے اور ہادی و رہنما بھی مگر منزل کا پتہ نہ ملنا تھا نہ ملا اور سب کچھ سیکھنے اور سکھلانے کے بعد بھی آج تک تہی دامن ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اس فرمانِ ناطق کو بھول گئے اور افہام و تفہیم معانی قرآن کو نہ صرف ترک کر دیا بلکہ اس ترک و ہجر کی تاریک گھاٹی میں غفلت کے بادلوں نے ہم کو بالکل عاجز و درماندہ کر کے چھوڑ دیا۔

اور اب کبھی خیال بھی نہیں گزرتا کہ ان علوم میں مقصد و نصب العین کونسا علم تھا اور کن علوم

کو اس کے لیے آلات و اسباب کی حیثیت حاصل تھی۔

حسرت و یاس کا یہ کس قدر اندوہناک منظر ہے کہ آج علوم آلیہ نے مقصد اور منتہائے کار کی جگہ لے لی اور مقصد و نصب العین کو بھی علوم کی صف میں رکھ دیا گیا۔

یہاں عقیدہ سے بحث نہیں اس لیے کہ مجھے تسلیم ہے کہ میرا اور آپ کا عقیدہ اسلامی عقیدہ ہے جس میں قرآنِ عزیز کی تعلیمات کو ایمان کی پہلی صف میں جگہ حاصل ہے۔

لیکن کیا وہ عقیدہ ہماری زندگی میں مفید و کامیاب ہو سکتا ہے جس کی مطابقت کے لیے عملی زندگی اور جس کی کامیابی کے لیے عملی حیات موجود نہ ہو؟

قرآنِ عزیز کی تلاوت بھی ہے، چومنے اور سینے سے لگانے کے لیے قلبی عظمت و ارادت بھی ہے لیکن نہیں ہے تو تعلیم نہیں تفکر نہیں تدبر نہیں اور اس وادی میں فکر حقائق سے استغناء اور نظر مقاصد سے بے توجہی ہمارا عام شعار بن گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہماری تمام زندگی کے شعبوں میں فکر کی جگہ جمود، تعقل و تدبر کی جگہ جہالت و دوں ہمتی کا دور دورہ ہے، حالانکہ اسی شمع ہدایت نے خدا کی ہستی، رسولوں کی رسالت و نبوت، وحی الٰہی کی صداقت، یوم آخرت کے وجود، غرض دنیا و دین کے تمام معاملات میں ہر جگہ افلا تعقلون، افلا تتفکرون، افلا تتدبرون کہہ کر عقل و فکر کو دعوت دی اور اسی کو صداقت و حقانیت کے پرکھنے کا معیار قرار دیا ہے۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجا ست تا بہ کجا!

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۔ (الآیہ)

کیا ان (مشرکین) نے قرآن میں تدبر نہیں کیا، اور اگر خدا کے علاوہ کسی اور کا کلام ہوتا تو یقیناً وہ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

ساڑھے تیرہ سو برس پہلے قرآنِ عزیز کی اِس آیت کے مخاطب غیر مسلم تھے لیکن کیا آج

عدم تدبر فی القرآن کا یہی شکوہ خود قرآن کے ماننے والوں پر صادق نہیں آتا، اور کل جو چیز غیروں کے لیے کہی گئی تھی آج اپنوں پر پوری نہیں اترتی؟

مصیبت جب آتی ہے تنہا نہیں آتی بلکہ مصائب کے پہاڑ اپنے دامن میں لے کر آتی ہے پھر قدرت یہاں کیسے اپنے قانون کو بدل دیتی، فہم قرآن سے غفلت بھی ایسی شدید گمراہی تھی جس نے طاری ہو کر جہل وتاریکی کو ظُلُماتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا مصداق بنا دیا اور ایک جانب کسی عالم کو یہ کہلایا کہ ہر شخص فقہ کے مسائل اور اُس کی جزئیات کو معلوم کر سکتا ہے۔ حدیث کے اختلافی مطالب کے حل کو بھی جان سکتا ہے، معانی وبلاغت، منطق وفلسفہ کی موشگافیوں کو سمجھ لینے کی صلاحیت بھی رکھ سکتا ہے۔

لیکن قرآنِ عزیز کا سمجھنا، اُس کے معانی ومطالب کا جاننا، حسب استطاعت اُس کے احکام کو معلوم کرنا یہ سب اُس کی دسترس سے باہر ہے۔

اُس کو صوفی کے تصوف کی باریکیاں عقیدتمندی کے ساتھ سُننی چاہئیں، قال فلانؒ قالَ فلانؒ کے مقولے سُن کر سرِ نیاز جُھکا دینا چاہیے لیکن قرآنِ عزیز کی کسی آیت کا مطلب، اُس کا فہم اور اُس کے مطالب کا ادراک یہ وہ شجرِ ممنوعہ ہے جس کے قریب نہ جانا ہی فلاحِ دنیا وصلاحِ آخرت کی بہترین کفالت ہے۔ یہ ہے آج ہمارا علمی نظریہ اور یہ ہے آج ہمارے ذوقِ علمی کا کمال!

اور دوسری جانب علوم جدیدہ کے علمبرداروں نے یہ صور پھونکا کہ دنیا کا کوئی فن، کوئی علم ایسا نہیں جو اپنے افہام وتفہیم میں غور وفکر کا محتاج نہ ہو اور صرفِ ہمت ووقت کے بغیر حاصل ہو سکتا ہو، لیکن صرف قرآنِ عزیز ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے سمجھنے اور جاننے کے لیے نہ علومِ آلیہ کی ضرورت اور نہ صرفِ ہمت ووقت کی حاجت، نہ یہ فکر ونظر کا داعی، نہ غور وخوض کا حامل یہاں جہالت ہی علم کی راہنما ہے اور ظلمت ہی نور کی ہادی ساری عمر علوم جدیدہ کے حصول میں صرف کیجیے اور پھر روایاتِ صحیحہ و درایاتِ صالحہ سے جہالت اور علوم عربیہ سے ناواقفیت

بہرحال دونوں کا حاصل ایک ہی نکلا کہ افراط و تفریط کی اس کشمکش میں قرآن وعلومِ قرآن سے نہ یہ عہدہ برآ ہوسکا اور نہ اُس کو توفیقِ فہم نصیب ہوئی۔ دعوئ علم دونوں کو حاصل مگر علومِ قرآنی کی رشد وہدایت کے ابلاغ و تبلیغ سے دونوں غافل۔

وہاں الحاد و زندقہ کی وبا نے رُوح کی زندگانی کو گُھن لگادیا اور یہاں فارابی و بوعلی کی موشگافیوں نے غفلت و جمود کے پردے ڈال ڈال کر نور سے بے نور بنادیا۔ فیا حسرتا دوا اسفاہ۔

مگر ان حوصلہ شکن حالات و واقعات کے باوجود اس جدید دور میں چند باہمت اشخاص ایسے بھی ہیں جنہوں نے انفرادی طور پر ترجمہ، فوائد اور تفسیر القرآن کی خدمت کو انجام دیا ہے اور دے رہے ہیں اور تحریر و تقریر کے ذریعہ اس نیک مقصد کی طرف متوجہ ہیں۔ فجزاہم اللہ خیر الجزاء

تاہم یہ خدمت اتنی اہم ہے کہ مساعی مسطورہ بالا کے باوجود ہنوز تشنہ ہے اور زیادہ سے زیادہ جد وجہد کی محتاج، اور ضرورت ہے کہ قرآنِ عزیز کی تعلیم کو مختلف حیثیتوں سے اس قدر عام کیا جائے کہ ہر ایک شخص اپنی استعداد و قابلیت کے مطابق استفادہ کرسکے۔

ندوۃ المصنفین کے پیشِ نظر جو سب سے بڑا اور اہم مقصد ہے وہ یہی ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے رسالہ "برہان" میں بھی جستہ جستہ قرآنِ عزیز کی آیات کے متعلق کچھ لکھا جائے۔ خصوصاً اُن آیات کے حلِ مشکلات کی طرف توجہ کیجائے جو تاویل و تفسیرِ قرآنی میں علماءِ ربانی کے نزدیک معرکہ آرا سمجھی گئی ہیں اور جدید اہلِ قلم نے بھی اُن میں سے بعض آیات کے متعلق قلم فرسائی کی ہے۔

ایک عرصہ ہوا کہ میں حضرت اُستاذ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حاضر تھا، مختلف علمی مسائل پر حضرت اقدس روشنی ڈال رہے تھے، درمیان میں مسئلہ زیرِ بحث بھی آگیا۔ آپ نے فرمایا کس قدر حسرت کا مقام ہے کہ اہلِ علم ہر قسم کی تدقیقات و تحقیقات میں سرگرمِ عمل نظر آتے ہیں لیکن قرآنِ عزیز کی خدمت کی طرف بہت کم توجہ ہے، حالانکہ اس فتنہ کے زمانہ

میں بھی دنیا کی نظریں اسی طرف لگی ہوئی ہیں کہ وہ قرآنی علوم سے براہ راست زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ اور آج ہر گمراہ، ملحد اور زندیق بھی اپنی گمراہی وضلالت کو اسی کتاب اللہ کے مقدس دامن میں تفسیر وتاویل کے نام سے چھپانے کی سعی کر رہا ہے

ضرورت ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ کم از کم ان مشکلات قرآنی ہی کو حل کر دے جو علماء ربانیین کے نزدیک معرکۃ الآراء ہیں اور حلِ مشکلات میں خصوصی توجہ کی محتاج۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت والا ہی اگر توجہ فرمائیں اور اپنے مخصوص اندازِ تحریر عربی میں ان آیات کا حل فرمادیں تو علماء اور طلبہ کے لیے مشعلِ راہ کا کام دے، اور اُن کے ذریعہ سے متوسطین اور عوام بھی فائدہ اُٹھاسکیں۔

اُس وقت تو آپ خاموش رہے لیکن اُسی سال کے رمضان المبارک میں آپ نے اُس طرف توجہ فرمائی اور فوائد (نوٹس) کے طور پر متعدد آیات کو حل فرمایا، اور ایک دوسری مجلس میں ہم کو بشارت دی کہ الحمد للہ میں نے ایک حد تک اس خدمت کو انجام دے دیا ہے۔

چونکہ حضرت اقدس کا اندازِ تحریر اجمال واختصار کی طرف مائل تھا اس لیے ضرورت تھی کہ اُس کی تکمیل وترتیب یا ایضاح وتفصیل کی طرف توجہ کی جائے۔

مجلس علمی ڈابھیل قابل مبارکباد ہے کہ اُس نے اس تکمیل کی خدمت کو انجام دیا جو عنقریب کتاب کی شکل میں طبع ہو کر شائع ہونے والی ہے

خدائے قدوس سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توفیق دے کہ قرآنِ عزیز کی خدمت عزیز کو حسب استطاعت انجام دے سکیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

آج ہم اس سلسلہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کی تشریح کرنی چاہتے ہیں جو بجائے خود ایک مستقل بحث ہے:۔

(۲)

وَظَنَّ دَاوُدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ (ص)

اور داؤد (علیہ السلام) نے خیال کیا کہ ہم نے اُسے جانچا پھر اُس نے بخشش چاہی اپنے رب سے

حضرت داؤد (علیہ السلام) ایک جلیل القدر اسرائیلی پیغمبر ہیں۔ خدائے قدوس نے سورۂ انبیاء سورۂ قصص اور بعض دوسری سورتوں میں اُن کی رسالت و نبوت، اور انبیاء و رسل میں اُن کی جلالتِ قدر کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن جس آیت کو ہم نے عنوان بنایا ہے یہ سورۂ ص کی آیت ہے اس کے متعلق عوام و متوسطین میں تو کیا بعض اربابِ تصنیف خواص میں بھی عجیب عجیب قسم کی روایات مشہور ہیں جو ہفوات و خرافات کا ایک ذخیرہ ہیں، اور جو اسرائیلیات سے منقل ہو کر کتبِ تفاسیر میں روایات کی حیثیت سے داخل کرلی گئی ہیں۔ اگرچہ علماء محققین، متقدمین و متاخرین برابر اُن کی تردید کرتے چلے آتے ہیں لیکن کتبِ تفسیر میں مسلسل نقل ہوتے رہنے کی وجہ سے کوتاہ بیں اصحاب نے اُن کو شہرت دینے اور قبول عام کی سند دلانے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔

متعصب اور تنگ نظر مستشرقین اور عیسائی علماء نے بھی اُن کے ساتھ اپنے شغف کا کافی ثبوت دیا اور تحقیق و علمی کاوش کے پردہ میں اُن روایات کو زیادہ سے زیادہ علمی جگہ دینے کے لیے سعی بلیغ کی۔ تاکہ جب عہدِ قدیم "تورات" اور عہد جدید "انجیل" کی اُن موجودہ ہفوات و خرافات پر بجا نکتہ چینی کی جائے جو معصوم نبیوں اور پیغمبروں کے متعلق مذکور ہیں تو اُن کو جواب کے لیے بآسانی یہ کہنے کا موقع ہاتھ آجائے کہ مسلمانوں کی تعلیم بھی ان عجوبہ کاریوں سے خالی نہیں ہے اور اسلام کا پاک دامن بھی عیاذاً باللہ اس قسم کی تلویث سے ملوّث ہے۔

واقعہ بہرحال اس مقام پر قرآنِ عزیز حضرت داؤد کے فضائل بیان کرتے ہوئے ان کے فصلِ خصومات

کے ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہے کہ حضرت داؤد عبادت خانہ میں مشغولِ عبادت تھے کہ دو معاملے والے دیوار کود کر عبادت خانہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے بے تکلف اپنا قضیہ بیان کرنا شروع کر دیا۔

مدعی نے کہا میرے اس بھائی (مدعی علیہ) کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور مجھ غریب کے پاس صرف ایک دُنبی ہے لیکن یہ اس کو بھی نہیں دیکھ سکتا اور مجھ کو مجبور کرتا ہے کہ میں اپنی ایک دنبی بھی اس کے حوالے کر دوں۔ حضرت داؤد نے فرمایا کہ تیرے رفیق کا یہ طرزِ عمل سخت ظالمانہ اور نامنصفانہ ہے اور اُس کو کوئی حق نہیں کہ وہ اس معاملہ میں تجھ پر جبر کرے اور اسی کے ساتھ دنیا کی ظلم پسندی کے اس عام طریقہ پر اظہار ناپسندیدگی فرماتے ہوئے ناصحانہ انداز میں فرمایا کہ جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور اعمال صالحہ کے حامل ہیں اور یقیناً وہ بہت کم ہیں اُن کے علاوہ یہی ہو رہا ہے کہ اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں اور ہر قوی ضعیف کو مغلوب و مجبور کرتا رہتا ہے۔

حضرت داؤد نے فیصلہ تو کیا لیکن فوراً احساس ہوا کہ اس معاملہ (فصلِ خصومات) میں حق تعالیٰ کی جانب سے میرا امتحان لیا گیا ہے، اس احساس کے پیدا ہوتے ہوئے وہ درگاہِ الٰہی میں سربسجود ہو گئے اور دعائے مغفرت کرنے لگے۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اُس کو بخش دیا، معاف کر دیا۔ اور ہمارے پاس اُس کے لیے مرتبہ اور اچھا ٹھکانا ہے۔

من گھڑت افسانے یہ مختصر سا واقعہ ہے جس سے فطری طور پر ایک سوال کی صورت پیدا ہوتی ہے اور اُس کے جواب میں ہی گمراہی اور ضلالت کے وہ افسانے گھڑے جاتے ہیں جن کا اسلام کے مقدس دامن سے دور کا بھی تعلق نہیں بلکہ قرآنی شہادتیں اور صادق و مصدوق نبی معصوم کی روایات صحیحہ اُن کے برعکس اس قسم کی افترا پردازیوں کا پردہ چاک کرتی ہیں

اِن اسرائیلی روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت داؤد کی نظر اتفاقاً اپنے ایک خاص مصاحب یارکنِ دولت اوریا کی عورت پر پڑ گئی اور اس اتفاقی نظر نے حضرت داؤد کے دل میں اُس کی جگہ

پیدا کر دی مگر چونکہ وہ شادی شدہ عورت تھی اس لیے حضرت داؤد خاموش ہو گئے اور مناسب وقت کے منتظر رہے۔ اب یہاں سے ان راویانِ کذب بیان نے دو راہیں اختیار کیں، ایک کہتا ہے کہ حضرت داؤد نے حیلہ کر کے اوریا کو میدانِ جہاد میں بھیجدیا اور اس کے شہید ہو جانے کے بعد اس کی عورت سے شادی کر لی۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ مناسب موقعہ دیکھ کر اوریا سے طلاق کے طالب ہوئے اور اپنے زعم باطل میں حضرت داؤد کی عصمت و عفت کا محافظ بنتے ہوئے یہ بھی تصریح کرتا ہے کہ اس زمانہ کے دستور کے مطابق اس قسم کا مطالبہ مروت اور اخلاقی ملکات کے خلاف نہیں سمجھا جاتا تھا۔

ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ جس عورت پر اچانک نظر پڑی تھی وہ اوریا کی منسوبہ تھی، ابھی نکاح کی نوبت نہیں آئی تھی اور پھر سابق کی طرح یا اوریا کو قتل کرا کے اس عورت کو حضرت داؤد کی بیوی بناتے ہیں اور یا بغیر قتل ہی اوریا کی منسوبہ کو اس کی اجازت سے حضرت داؤد کی منسوبہ بنا دیتے ہیں۔ اور تسع و تسعون (۹۹) کے عدد کو نبھانے کے لیے اس واقعۂ نکاح سے قبل حضرت داؤد کی ننانوے بیویاں بھی تسلیم کر لی جاتی ہیں ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ الآیہ۔ اعاذنا اللہ من ہذہ الخرافات والہفوات!

یہ اور اسی قسم کے بیہودہ افسانوں کو موضوع روایات اور من گھڑت بیانات کی شکل میں بیان کیا گیا ہے اور حیرت یہ ہے کہ جب ان خرافات کی مصنوعی چادر میں معصوم نبی و پیغمبر کا قدِ زیبا کسی طرح موزوں نظر نہیں آتا تو طرح طرح کی رکیک تاویلات اور لچر توجیہات بیان کر کے سعی کی گئی ہے کہ کسی طرح ظلمت کی یہ چادر صادق و مصدوق پیغمبر پر مڑھ دی جائے۔

خدا کی پناہ کس قدر گستاخانہ جرأت ہے۔ قتل، طمع و حرص، خواہشاتِ نفسانی اور بداخلاقی کا کونسا گوشہ ہے جو یہودیوں اور اسرائیلیوں کی ان خرافات میں خدا کے سچے رسول اور حق و صداقت

کے لیے اخلاقِ کاملہ کے معلم اور رشد و ہدایت کے نورِ مجسم کے لیے وضع نہ کیا گیا ہو۔ اور غضب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے اپنے گھر کی پیز محض نقل کے قصور میں آج مسلمانوں کی امانت سمجھی جانے لگی اور بعض اپنے نادان دوستوں کی سہل انکاریوں کی بدولت علماء یورپ اور متعصب مستشرقین نے ان کو ہمارے یہاں سے نقل کرکے ثابت کرنے کی سعی لاحاصل شروع کر دی گویا کہ یہ بیچارے آج اسلامی روایات کی بنا پر ہی ان ہفوات و خرافات سے واقف ہوئے ہیں، ورنہ ان کا اپنا دامن اس سے پاک ہے۔

حالانکہ اسلام اور قرآن کی نگاہ میں انبیاء و رسل کی معصومیت، جلالتِ قدر اور اخلاقِ کاملہ کے لیے اسوہ ہونا ایک ایسا صریح اور یقینی مسئلہ ہے جس کے متعلق شک و شبہ کی گنجائش نہیں پھر کس طرح ممکن ہے کہ ان اسرائیلیات و ہزلیات کے لیے ایک معمولی گوشہ بھی اسلامی تعلیم میں نکل سکے۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۔ (بقرہ)

جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں سے جو تم پر ہماری آیات پڑھتا ہے اور تم کو پاک بناتا ہے اور تم کو کتاب سکھاتا ہے اور حکمت اور وہ باتیں بتاتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ (بقرہ)

لوگ پہلے سب ایک ہی دین (گمراہی) پر تھے پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے اور اتاری ان کے ساتھ کتاب بھی تاکہ فیصلہ کرے لوگوں میں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۔ (بقرہ)

یہ سب رسول، ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں وہ بھی ہیں جن کو کلیم اللہ کا شرف عطا ہوا اور بعض کو بہت ہی بلند رتبے دیے۔

اور اسی سورۂ ص میں داؤد علیہ السلام ہی کے لیے نیابتِ الٰہی کا جو سب سے بڑا شرف اور

مجد ہ خلیفۃ اللہ فی الارض“ ہے اس طرح بیان فرمایا :۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ۔ اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔

اور سورۂ انبیار میں اُن کی رفعت وجلالتِ شاُن کا اس طرح اظہار فرمایا :۔

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ وَکُنَّا فٰعِلِیْنَ۔ ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا جو تسبیح پڑھتے ہیں، اور یہ سب کچھ ہم نے ہی کیا تھا۔

حقیقتِ القصہ بات یہاں سے چلی تھی کہ آخر اس واقعہ میں کون سی ایسی چیز تھی جس کے لیے حضرت داؤد کو یہ احساس ہوا کہ خدائے قدوس نے اس ذریعہ سے میرا امتحان لیا اور وہ کون سی خطا تھی جس کے لیے حضرت داؤد کو استغفار کی نوبت آئی۔

مفسرینِ امت ابن کثیر، خازن، آلوسی، صاحب روح المعانی، ابوحیان، رازیؒ، وغیرہم نے اس سوال کے حل میں بہت سی توجیہات نقل کی ہیں اور یہ واضح کر دیا ہے کہ اس سلسلہ میں جو افسانے بیان ہوئے ہیں اُن کا اسلامی تعلیمات سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے اور نبی معصوم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس سلسلہ میں کوئی روایت بھی ثابت نہیں ہے۔

حافظ عماد الدین فرماتے ہیں :۔

قد ذکر المفسرون ھھنا قصۃ اکثرھا ماخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیھا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ۔ مفسرین نے اس موقعہ پر کچھ افسانے بیان کیے ہیں جو اسرائیلیات سے لائے گئے ہیں، اور اُن کے متعلق نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت ثابت نہیں جس کا اتباع ہمارے لیے ضروری ہو۔

امام رازی کا قول ہے

حاصل القصۃ یرجع الی السعی فی قتل رجل مسلم بغیر حق والی الطمع فی زوجتہ وکلاھما اس افسانہ کا حاصل تو یہ ہوا کہ ناحق ایک مسلمان کا قتل، اور اُس کی بیوی کے متعلق بے جا طمع اور یہ دونوں چیزیں بدترین

منکر عظیم فلا یلیق لعاقل ان یظن بداود علیہ الصلوٰۃ والسلام .

معصیت ہیں تو کوئی عقلمند خدا کے نبی داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ایسا گمان کس طرح قائم کر سکتا ہے۔

اور قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں۔

لا یجوز ان یلتفت الی ما سطرہ الاخباریون من اھل الکتاب الذین بدلوا وغیروا ونقلہ بعض المفسرین ولم ینص اللہ تعالیٰ علی شیء من ذلک ولا ورد فی حدیث صحیح

قصہ گو اہل کتاب نے حضرت داؤد کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے اُس پر توجہ کرنا بھی جائز نہیں، اس لیے کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہر قسم کی تبدیل و تحریف پر کمر باندھ لی ہے بعض مفسرین نے بھی اس کو نقل کر ڈالا حالانکہ نہ خدائے تعالیٰ نے اس کے بارہ میں کوئی نص اتاری اور نہ حدیث رسول میں اس کا پتہ :-

اور خازن کہتے ہیں :-

اعلم ان من خصہ اللہ تعالیٰ بنبوتہ و اکرمہ برسالتہ وشرفہ علی کثیر من خلقہ وائتمنہ علی وحیہ وجعلہ واسطۃ بینہ وبین خلقہ لا یلیق ان ینسب الیہ ما لو ینسب الی احاد الناس لاستنکف ان یحدث بہ عنہ فکیف یجوز ان ینسب الی بعض اعلام الانبیاء والصفوۃ الامناء

معلوم رہے کہ جس شخص کو خدا نے اپنی نبوت سے نوازا ہو اور شرفِ رسالت سے مشرف کیا ہو اور خدا کی مخلوق میں سے بے شمار انسانوں سے برگزیدہ بنایا ہو، اپنی وحی کا امین مقرر کیا ہو، اور خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان ایلچی ہو اس کی طرف ایسی خرافات کی نسبت کس طرح جائز ہو سکتی ہے کہ اگر معمولی انسان کی جانب بھی ایسے امور کی نسبت کی جائے تو اُس کو سخت ناگوار گزرے۔ کجا یہ ہرزیات اور کجا خدا کا برگزیدہ امین رسول۔

اور آلوسی صاحب روح المعانی اور ابو حیان صاحب بحر المحیط کا قول ہے :-

ویعلم قطعًا ان الانبیاء علیہم السلام

اور یہ یقینی طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام خطاؤں

معصومون من الخطایا لایمکن وقوعهم فی شئ منها ضرورة ان لوجوزنا علیهم شیئاً من ذلك بطلت الشرائع ولم نثق بشئ مما یذکرون انه اوحی الله به الیهم فما حکی الله تعالیٰ فی کتابه علی ما اراده تعالیٰ وما حکی القصاص مما فیه نقص من منصب النبوة طرحناه الخ

سے بالکل معصوم ہیں اور اُن کا دامن کسی خطا میں ملوث نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو شریعت باطل باطل ہو جاتی اور ان کے کسی قول پر اعتماد ناممکن ہو جاتا۔ لہذا حضرت داؤد کے واقعہ میں خدائے تعالیٰ نے جس قدر بیان کیا ہے وہی ہمارے لیے دلیل راہ ہے اور افسانہ گویوں نے منصب نبوت کی حرمت کی جو ہتک کی ہے۔ وہ پھینک دینے کے قابل ہے۔

اور کیوں نہ ہو جبکہ نبوت، صداقت ہے، عفت وعصمت ہے، طہارت و نجابت ہے تو پھر اس میں بطالت اور اخلاق ردیہ و ذمیمہ کی تلویث کو کیا دخل؟

اِن تصریحات کے بعد وہ توجیہات مذکور ہیں جو اصل سوال کے متعلق بیان کی گئی ہیں "چھوٹا منہ بڑی بات" شاید یہ مثل مجھ پر صادق نہ آئے اگر میں یہ گذارش کروں کہ ان توجیہات میں بھی بعض رکیک ہیں جیسا کہ خازنؒ نے کیا ہے کہ جس افسانہ کی پُرزور تردید کی ہے اسی کا ایک ایسا ٹکڑا اس خیال سے لے لیا ہے کہ اس سے استغفار داؤد علیہ السلام کی وجہ بھی پیدا ہو جائے اور عصمت نبوت پر بھی زد نہ پڑے لیکن اگر گہری نظر سے دیکھیے تو بات وہیں لوٹ کر آجاتی ہے۔ صرف فرق کم وبیش کا پڑجاتا ہے، جو زیادہ مفید نہیں۔ اور بعض تاویلات میں اس قدر تکلف اختیار کیا گیا ہے کہ طبع سلیم اُس کے ماننے کو تیار نہیں ہوتی جیسا کہ ابوحیان نے کہا ہے۔ اور بعض مفسرین نے صرف رطب ویابس نقول کو جمع کر دینے ہی پر اکتفا کی ہے اور صحیح وسقیم توجیہات کے نقد وتبصرہ کو نظر انداز کر دیا ہے

عہ روح المعانی جلد ۲۳ طبع جدید، بحر المحیط جلد،

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ اپنی محدثانہ عادت کے مطابق اس سوال کے حل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آثار نقل فرماتے ہیں تاکہ صاحب ذوق روایت و درایت کے اعتبار سے جس اثر کو چاہے اختیار کرلے اور قرآن عزیز کے اس موقع کو حل کرے۔ چنانچہ علمائے محققین نے ان آثار سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے ذوق کے مطابق اس آیت کی توجیہ میں کام لیا لیکن میری نظر نے اب تک اس سلسلہ میں جس قدر مطالعہ کیا ہے اس سے معاملہ کے وہ انکشاف ہونے میں وہ حیثیت و کیفیت نظر نہیں آتی جس سے یہ کہا جاسکے کہ قرآن عزیز کا سیاق و سباق خود اس طرف رہنمائی کرتا ہے اور اگر یہ صحیح آثار و روایات سامنے بھی ہوں تب بھی نظم قرآنی سے حضرت داؤد کی معصومانہ صفات کے مطابق خود اس مشکل کو حل کیا جاسکتا ہے۔

ممکن ہے میری نظر کی کوتاہی ہو لیکن صورت حال بظاہر یہی ہے، تو اب ایسی حالت میں ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کے جس اثر کو میں اپنے لیے دلیل راہ بناتا ہوں اس کو پیش کروں اور قرآن عزیز کی اس آیت کے سیاق و سباق پر بحث کرکے بتاؤں کہ اگرچہ قرآن عزیز نے اس موقعہ پر اجمال سے کام لیا تاہم وہ اس سوال کے حل کرنے میں بطور خود امام ہے اور اس کی شہادت تمام شہادتوں سے اعلیٰ وارفع ہے اور اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ کے اثر سے ہوتی ہے۔

معاملہ کی اصل صورت یہ ہے کہ اس سورۂ (ص) میں حضرت داؤد کا ذکر اس طرح شروع کیا گیا ہے:-

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۔ اور یاد کر ہمارے بندے داؤد صاحب قوت کے واقعہ کو یہ (داؤد) خدا کی طرف بہت رجوع ہونیوالا تھا۔

اور پھر ان کے کمالات عبودیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَ ہم نے اس کے ساتھ صبح و شام تسبیح کرنے کے لیے پہاڑ کو مسخر اور

بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ۔ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ۔ اور پرندوں کو جمع کر دیا۔ یہ سب خدا کے آگے رجوع رہتے۔

یہاں تک اُن کی عبودیت، تسبیح و تہلیل اور اُس سلسلہ میں اُن کی عظمت و جلالت کا تذکرہ تھا۔ اب اس کے بعد ان کے ایک دوسرے شرف و مجد کا تذکرہ ہے جو درحقیقت اُن کا طغرائے امتیاز ہے۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ۔ اور ہم نے اس کی سلطنت و مملکت کو قوت دی اور بہت مضبوط کیا اور اسکو دانائی و تدبیر اور قوت فیصلہ بخشی۔

حکمت، تدبیر ملک ہو یا منصبِ نبوت دونوں کو شامل ہے اور اُن جامع الفاظ میں سے ہے جو اس قسم کے تمام ملکات کو وسیع و حاوی ہے۔

اِسی لیے یہاں عطاءِ مملکت، نبوت و حکمت، اور قوتِ فیصلہ کے اس شرف کا اظہار فرمایا جو نیابت و خلافت الٰہی کے لیے لازم و ملزوم ہے۔ مگر حضرت داؤد نے اپنے خیال میں ان ہر دو قسم کے مجد و شرف کا منشاءِ الٰہی یہ سمجھا کہ مجھ کو اپنی زندگی کے اوقات کو دو حصوں پر اس طرح تقسیم کر لینا چاہیے کہ ایک کا تعلق عبادات سے ہو اور دوسرے کا تعلق معاملات سے۔ چنانچہ اُنھوں نے ایک دن خالص عبادتِ الٰہی کے لیے مقرر کیا اور دوسرا دن خالص فیصلۂ معاملات اور منصبِ خلافتِ الٰہیہ کے انصرام کے لیے، اور پھر عبادات و معاملات کی اس تقسیم میں بھی دونوں پہلوؤں انفرادی اور اجتماعی کو جُدا جُدا اوقات میں بانٹ دیا۔ اور ان چار حصوں کو اس طرح الگ الگ کر دیا۔

ایک دن صرف عبادتِ الٰہی میں مشغولیت کا، دوسرا دن بنی اسرائیل میں خشیتِ الٰہی کے لیے وعظ و تذکیر کا۔ اسی طرح ایک دن اپنے اہل و عیال کے معاملات کی درست کاری کا اور دوسرا دن اُمت کے معاملات کے فیصلوں کا۔[ع] لیکن خدا کے ساتھ نبی و رسول کا معاملہ ماوشما بلکہ صلحاء و مقربین کے معاملہ کی طرح نہیں ہے۔ یہاں تو ہر حرکت و سکون پر نظر ہے اور قطعاً اجازت نہیں

ع وکان علیہ السلام کما روی عن ابن عباس جزء زمانہ اربعة اجزاء یوماً للعبادة و یوماً للقضاء و یوماً للاشتغال بنفسہ و یوماً لجمیع بنی اسرائیل فیعظهم و یبکیهم (روح المعانی)

کرکسی معاملہ میں خواہ وہ عبودیت سے متعلق ہو یا نظمِ حکومت سے، انفرادی ہو یا اجتماعی بغیر اطلاعِ وحی کے کچھ بھی کریں۔ وہاں مرضیات کو کیا دخل؟ وہاں تو جو کچھ بھی ہے وہ سب وحی الٰہی کا فیضان ہے اور بس!

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ (والنجم) اور یہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتے یہ جو کچھ بھی ہے خدا کی وحی ہے جو اُن پر نازل ہوئی۔

ہوائے نفس سے الگ وحی الٰہی کے زیرِ اثر نطق و گویائی کچھ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے مخصوص نہیں بلکہ ہر نبی و رسول کی یہی شان ہے اور یہی ہونی چاہئے تو ایسی حالت میں حضرت داؤد کی شانِ نبوت سے یہ بات مستبعد تھی کہ وہ مرضئِ الٰہی حاصل کیے بغیر اپنے اوقات کا اس طرح مستقل نظامِ عمل بنائیں اور عبادت و خلافتِ الٰہیہ کی انجام دہی کے لیے جُدا جُدا ایام مقرر فرمائیں۔

بیشک نہ یہ معصیت تھی نہ خطا، گناہ کے کسی شعبہ کا اس میں دخل نہ تھا لیکن بمصداق "حسنات الابرار سیئات المقربین" یہ پیرہن نبوت و رسالت کے جسم پر موزوں نہ تھا، اس لیے کہ عبادتِ الٰہی تخلیقِ انسانی کا مقصدِ عظمیٰ سہی اور یہ بھی درست کہ اس نور کے فیضان سے تقرب الی اللہ کی راہیں کھلتی ہیں لیکن بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر لانے والے بندوں کے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو خدا کے ساتھ جوڑنے والے اخلاقِ کاملہ کے ہادی اور اُمت کے رہنما کے لیے سب سے بڑی عبادت و ریاضت اسی میں ہے کہ وہ مخلوق کے معاملات کو درست کرے اور اُن کو راہِ کج سے ہٹا کر راہِ مستقیم پر لائے۔

وہ بیشک تسبیح و تہلیل، ذکر و اشغال سے مستغنی نہ ہو۔ عبادتِ الٰہی میں سرشار ہو لیکن اس طرح نہیں کہ دن کے کسی گوشہ میں بھی منصبِ نبوت کی کارفرمائی نہ ہو اور صرف منصبِ ولایت ہی بروئے کار آئے، یہ نبی و رسول کی حیات کے لیے کیسے موزوں ہو سکتا ہے؟

لہٰذا مشیتِ الٰہی نے اس سہو پر متنبہ کرنے کے لیے ایک لطیف صورتِ حال پیدا کر دی اور

خاص اُس روز جبکہ وہ عبادتِ الٰہی کے لیے خلوت نشین تھے اچانک ایک عجیب واقعہ سے اُن کو دوچار ہونا پڑا

وَهَلْ أَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۙ
إِذْ دَخَلُوا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ
خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا
بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلٰى سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝
إِنَّ هٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ
نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ أَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ
فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ
إِلٰى نِعَاجِهٖ ۖ وَإِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِيْ
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۗ

کیا تجھ کو دعوے والوں کا وہ قصہ معلوم ہے جب وہ دیوار کود کر عبادتخانہ میں گھس آئے۔ جب داؤد کے پاس پہنچے تو داؤد ان سے گھبرایا۔ وہ کہنے لگے گھبراؤ نہیں ہم دو قضیے والے ہیں ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے سو فیصلہ کر دے ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ اور حد سے نہ گزرنا اور ہم کو سیدھی راہ بتا دینا۔ قضیہ یہ ہے کہ یہ جو میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے۔ پھر کہتا ہے کہ ایک دنبی بھی میرے حوالہ کر دے اور مجھ سے گفتگو میں غالب تیز زبان ہے۔ داؤد نے کہا یہ بے انصافی کرتا ہے کہ تجھ سے تیری ایک دنبی بھی اپنی دنبیوں میں ملانے کے لیے مانگتا ہے۔ اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی ہی کرتے ہیں سوا اُن لوگوں کے جو یقین لاتے ہیں اللہ پر اور کام کیے ہیں نیک اور وہ بہت تھوڑے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام خلوتگاہ میں عبادت میں مشغول ہیں، اچانک دو آدمیوں کا اس بُری طرح سے گھس آنا، اور حضرت داؤد کا ناگواری اور گھبراہٹ محسوس کرنا ایک فطری اور بشری تقاضہ تھا اس کے لیے باب تاویل کیوں کھولا جائے اور رکیک احتمالات کیوں پیدا کیے جائیں؟

دو شخصوں کا عبادت کے اس مخصوص دن میں اس طرح جرأت کے ساتھ مخل انداز ہونے اور پھر بیباکانہ طرز و انداز میں قضیہ کو پیش کرنے سے حضرت داؤد کو اپنے معاملہ کا نقشہ صاف صاف نظر آنے لگا، سمجھ گئے کہ حق تعالیٰ کو یہ ادا پسند نہیں آئی تب ہی یہ اجنبی صورتِ حال پیدا کی گئی۔

اس طرح معاملہ والوں کو تو اُن کا معاملہ سمجھا دیا اور نبوت کے منصبِ دعوت و ارشاد کے پیشِ نظر یہ بھی بتا دیا کہ دنیا میں یہی ہو رہا ہے کہ ہر قوی ضعیف کو پنپنے نہیں دیتا اور ظلم و زیادتی کی یہ رسم اسی طرح جاری ہے ہاں البتہ نیک عمل بندے اس سے مستثنیٰ ہیں جو بہت تھوڑے ہیں۔

اور پھر اپنے معاملہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَآبٍ ۝

اور داؤد کے خیال میں آیا کہ ہم نے اُس کو جانچا پھر بخشش چاہنے لگا اپنے رب سے اور گر پڑا سرِ نیاز جھکا کر اور رجوع ہوا۔ پھر ہم نے اُس کو معاف کر دیا یہ معاملہ۔ اور اس کے لیے ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا۔

حضرت داؤد نے اقرار کیا کہ بیشک مجھ سے لغزش ہوئی کہ میں نے نبوت کے اہم امور فصلِ معاملات کو وہ جگہ نہ دی جو اس کو ملنی چاہیے تھی۔ یقیناً اس طرح امت کی ضروریات و حاجات میں سخت حرج واقع ہوا اس لیے کہ کسی طرح مناسب نہ تھا کہ ایک دن خالص عبادت کیلیے وقف کیا جائے اور اُمت کو مشکوٰۃِ نبوت کے فیضان سے محروم رکھا جائے۔

حضرت داؤد جلیل القدر نبی تھے لطیف اشارہ کو پہچان گئے اور اپنی اس معمولی سی لغزش کو بھی گناہ تصور کرتے ہوئے جناب باری میں عذر خواہ ہوئے، وہاں کیا دیر تھی، توفیقِ الٰہی کا مقصد ہی یہ تھا فوراً معافی ہو گئی اور دوسروں کو بھی بتا دیا کہ داؤد کے استغفار اور ہمارے قبولِ مغفرت سے کہیں یہ دھوکا نہ کھانا کہ داؤد نے کوئی گناہ کیا تھا یا اُس سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوا تھا جو انسانی نگاہوں میں مروت و اخلاق کے خلاف ہو نہیں

إِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَآبٍ اُس کے لیے ہمارے پاس یقیناً رتبہ (رتبۂ نبوت) اور بہترین جگہ ہے۔

اس کے بعد اس لطیف پیرایۂ بیان کی تشریح یا اس اجمال کی تفصیل نہایت خوبی سے حضـ

داؤد کو مخاطب کر کے اس معجزانہ انداز میں کردی :-

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ اے داؤد ہم نے تجھ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے - لہذا

فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ لوگوں پر انصاف کے ساتھ حکومت کر

اِس سے زیادہ حقیقتِ حال کی وضاحت اور کیا ہو سکتی تھی کہ نیابتِ الٰہی اور خلافتِ خداوندی کا اہم مقصد خلوت گاہ کی عبادت میں نہیں بلکہ خلق اللہ کی خدمت ، رشد و ہدایت اور مبنی بر انصاف حکومت میں ہے - اور اے داؤد یہی تمہارا امتیازی نشان ہے -

یہ رب العٰلمین کے لطیف پیرایۂ بیان کی لطافت اور معجزانہ کمال ہی کا حصّہ تھا کہ ایک زاہد کے زہد و عبادت جیسی اعلیٰ صفت کے احترام کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے منصبِ نبوت کے احساسِ فرض کی طرف اس اچھوتے انداز سے حضرت داؤد کو متوجہ کیا اور صرف ایک جملہ کہہ کر حقیقت کے تمام پردے چاک کر دیے

اس حقیقت کی وضاحت کے لیے ایک دوسرے معاملہ کی طرف بھی نظر ڈال لیجئے سورۂ بقرہ میں حضرت آدم کے خلیفہ بنائے جانے کے متعلق خدائے برتر اور فرشتوں کے درمیان جو مکالمہ ہوا ہے اس پر غور فرمائیے -

ملائکۃ اللہ اس بشارت کے بعد بھی کہ آدم خلیفۃ اللہ ہیں یہی محسوس کرتے رہے کہ آدم کو یہ شرف کیوں دیا جاتا ہے جبکہ تقدیس و تسبیح میں ہم کہیں اس سے بڑھ چڑھ کر ہیں لیکن جب ان کو بتایا گیا کہ خلافت کثرتِ تقدیس و تسبیح سے نہیں ملتی بلکہ اس کے لیے علم و حکمت کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ سے نیابتِ الٰہی کا صحیح حق ادا ہو سکے ، تب فرشتوں کو بھی کہنا پڑا :-

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا پاکی تیرے ہی لیے زیبا ہے ، ہمیں واقعی اس سے زیادہ علم نہیں جتنا کہ تونے ہمیں سکھایا

اب حضرتِ آدم کے اعلانِ خلافت کے بعد یہ دوسرا موقعہ ہے کہ حضرت داؤد کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ تو خلیفۃ اللہ فی الارض ہے - یہ کیوں ؟ صرف اس لیے کہ موقعہ کے مناسب

...مقام کے حسب حال اس سے بہتر دوسرا تخاطب ممکن ہی نہیں تاکہ داؤد علیہ السلام کے پیش نظر یہ حقیقت خوب واضح ہو جائے کہ اُن کی ہستی اور ان کا وجود یا اُن کی بعثت کا مقصد اعظم کیا ہے؟ ایک عابد زاہد کی طرح خانقاہ میں تسبیح وتہلیل میں مشغولیت یا اُمت کے رشد وہدایت اور فصلِ معاملات کی کشتی کی ناخدائی!!

اب اس طویل بحث کے بعد ایک مرتبہ آپ خود تمام معاملہ پر نظر ڈالیے اور پھر قرآن کے سباق یعنی واقعہ کے تذکرہ سے پہلے کی آیات اور سیاق یعنی واقعہ کے تذکرہ کے بعد کی آیات کیا بتا رہی ہیں؟ اس پر گہری نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ

کہنے والے نے کچھ اپنی طرف سے نہیں کہا قرآن عزیز کا سیاق وسباق خود اس کا شاہد ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت اُس کے لیے دلیلِ راہ۔

ناانصافی ہوگی اگر اس آخری آیۃ کے تمہ کے متعلق مضمون کو تشنہ چھوڑا جائے اور فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ کے بعد وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى کے متعلق بھی سابق آیات کی طرح جو بیسیوں احتمالات اس لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ کسی طرح استغفارِ داؤد کے ساتھ لاتتبع الھوٰی کا جوڑ بھی لگ جائے اور ساتھ ہی منصبِ نبوت پر حرف گیری بھی نہ ہو سکے اور اس سعی میں ضعیف اقوال اور بعید احتمالات کو اختیار کیا گیا ہے، اِس کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ اور نظمِ قرآنی سے جو کچھ بے تکلف ظاہر ہوتا ہے اُسی کو مستند سمجھا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت داؤد کو یہ بتا دیا گیا کہ تمہارا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ تم خلیفۃ اللہ فی الارض ہو، اور خدمتِ خلق اور قیامِ عدل ونصفت تمہارا سب سے بڑا فرض ہے تو حق تعالیٰ نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ مختصر طور پر اس کے بنیادی اصول کو واضح اور اس راہ کے خطرات کو ظاہر فرما دے۔ ارشاد فرمایا:-

ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ ... اور دیکھو کسی حالت میں خواہشاتِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ پھر وہ اللہ
ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم ... کی راہ سے تجھ کو بے راہ کر دے یقیناً جو لوگ بے راہ ہو جاتے ہیں
عذابٌ شدیدٌ بما نسوا یوم الحساب ۔ ... اللہ کی راہ سے ان کے لیے سخت عذاب ہے اس بات پر کہ انہوں نے بھلا دیا حساب کے

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حضرت داؤد ہوائے نفس میں مبتلا ہو گئے تھے اور پھر اب ان کو تنبیہ کی جا رہی ہے۔ اس میں تو دراصل متوجہ کرنا ہے اس اصل الاصول کی جانب جو نیابتِ الٰہی و خلافتِ خداوندی کے لیے ازبس ضروری ہے

اب آپ ہی اندازہ کیجیے کہ بات کہاں تھی اور کہاں پہنچ گئی۔

پھر قطع نظر اس بات سے کہ اس سلسلہ کی داستانیں روایۃً و درایۃً سب غلط ہیں اور ہزلیات و خرافات ہیں، خود نظمِ قرآنی کب ان لغویات کو متحمل ہوتا ہے۔ شروع آیات میں حضرت داؤد کی منقبت و مدح سرائی ہو رہی ہے اور پھر آخر میں مدح و ستائش کا بلند سے بلند رتبہ "خلافت" عطا کیا جا رہا ہے، مگر درمیان میں ایک ایسے فعلِ شنیع کا تذکرہ کر دیا جاتا ہے جو اخلاق رذیلہ کے پست سے پست درجہ میں شمار ہوتا ہے۔ قرآنِ عزیز کی معجزانہ ترتیب تو کجا کسی معمولی فصیح و بلیغ کلام میں بھی یہ بے سلیقگی ناممکن ہے

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اس آیت کے سلسلہ میں جس قدر توجیہات کتبِ تفسیر و کلام میں منقول و مسطور ہیں، اگر ان کے ساتھ بیان کردہ توجیہ کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو آپ کو خود اندازہ ہو جائیگا کہ نظمِ قرآنی سے قریب تر بلکہ بے غل و غش، سیاق و سباق کے ٹھیک مطابق یہی توجیہ ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

البتہ ان تمام احتمالات و توجیہات سے جدا حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کی اس سلسلہ میں ایک روایت منقول ہے جس کو حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے اور اس کے صحیح الاسناد ہونے پر حکم بھی لگایا ہے۔ یہ روایت خود اپنی جگہ اپنا مرتبہ رکھتی ہے اور اسی لیے بیان کردہ

توجیہات پر بحث و تبصرہ کرنے کے بعد صرف اس کا نقل کر دینا ہی کافی ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ما اصاب داؤد ما اصابہ بعد القدر الا من عجب عجب بہ من نفسہ وذلک انہ قال یا رب ما من ساعۃ من لیل ولا نہار الا وعابد من آل داؤد یعبدک یصلی لک او یسبح او یکبر وذکر اشیاء فکرہ اللہ ذلک فقال یا داؤد ان ذلک لم یکن الا بی فلولا عونی ما قویت علیہ وجلالی لاکلنک الی نفسک یوما قال یا رب فاخبرنی بہ فاصابتہ الفتنۃ ذلک الیوم۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کو تقدیر الٰہی سے جو پیش آیا اُس کا حاصل یہ ہے کہ اُن کے دل میں خود پسندانہ نازکی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ اس میں خدا سے مناجات کے وقت کہنے لگے خدایا دن اور رات کی ایک گھڑی بھی خالی نہ تھی جس میں داؤد اور آل داؤد میں سے کوئی ایک تیری عبادت، نماز یا تسبیح و تہلیل میں مشغول نظر نہ آتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت داؤد کی یہ ادا پسند نہ آئی اور ارشاد فرمایا۔ داؤد یہ سب کچھ میری توفیق کی وجہ سے ہے۔ میری مدد نہ ہوتی تو آل داؤد میں یہ قدرت کب تھی؟ اپنی عزت و جلال کی قسم میں تجھ کو کسی دن تیرے نفس کی سپرد کردونگا (یعنی توفیق ہٹالونگا) حضرت داؤدؑ نے عرض کیا بار الٰہا جس دن ایسا ہو مجھ کو اطلاع ہوجائے پس اُسی دن آزمائش میں مبتلا ہوگئے۔

مستدرک جلد ۲ کتاب التفسیر ص ۴۳۳

حضرت ابن عباسؓ کے اس اثر کا مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے "فتنہ" اور "آزمائش" کا معاملہ اس سے زیادہ نہ تھا کہ اُن کو اپنی اور اپنے خاندان کی عبادتِ شب و روز پر ایک قسم کا ناز ہوا جس کو اُنہوں نے ایک دن خدا کے سامنے بھی ظاہر کیا، حق تعالیٰ کو اُن کی یہ ادا پسند نہ آئی اس لیے کہ نبی کی عظمتِ شان کے وہ سب نامناسب ہے جو ابرار و مقربین کے لیے غیر موزوں نہیں لہٰذا اُن کی عبادت میں قدرت نے رخنہ اندازی کرادی تاکہ اُنہیں معلوم ہوجائے کہ عبادت کا یہ نظم بھی خدائے برتر ہی کی توفیق کی بدولت ہے۔ بقول شاعر:-

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی

منت شناس ازو کہ بہ خدمت گذاشتت

بالآخر حضرت داؤد کو اس کا احساس ہوا اور مغفرت کے طالب ہوئے۔ رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور فغفرنالہ ذلک وان لہ عندنا لزلفیٰ وحسن مآب کی بشارت سنا کر ان کو بلمراد کیا!

اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت مشہور ہے۔ اگرچہ بقولِ صاحب روح المعانی حافظ زین الدین عراقی محدث نے اس کی صحتِ نسبت سے انکار کیا ہے۔ مگر علامہ خفاجی جو محقق محدث ہیں وہ اس روایت کو نقل کر کے اس کے انکار و اقرار سے سکوت اختیار کرتے ہیں۔

شیخ محمود آلوسی لکھتے ہیں:۔

ولذا قال علی کرم اللہ وجہہٗ ما فی بعض الکتب من حدّث بحدیث داؤد علیہ السلام علی ما یرویہ القصّاص جلدتہ مائۃ وستین الخ	اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بعض کتابوں میں روایت مذکور ہے۔ انھوں نے فرمایا جو شخص اس حدیث داؤد علیہ السلام کو روایت کریگا جس کو قصہ گویوں نے بیان کیا ہے تو میں روایت کرنے والے کو ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤنگا۔

(روح المعانی جلد ۲۳)